نے مجلۂ المنار (جلد ششم) میں مضامین لکھنے شروع کئے، یہ مضامین اس درجہ مدلل اور پُرزور تھے کہ مصر اور شام و تونس کے بعض علماء نے ان کی تائید میں خطوط لکھے۔ مضمون کے ساتھ یہ خطوط بھی چھپتے رہے، اس کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ فضا بدلی اور مفتی محمد عبدہ کی مخالفت کا جوش ختم ہو گیا، اسی سلسلہ میں خاص اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جامعۂ ازہر مصر میں فقہ کے مسالکِ اربعہ کے علماء و فقہاء کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا اور اُنھوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں مفتی صاحب موصوف کے فتوی کی تائید اپنے اپنے مذہب کی تصریحات کی روشنی میں کی تھی۔ شیخ عبدالحمید حمروش جو اُس زمانہ میں ازھر کے مشہور عالم اور مصر کے قاضی شرع تھے انھوں نے یہ رسالہ چھاپا تھا، اس کے علاوہ شیخ محمد بیرم الخامس جو حنفی فقہ کے بہت بڑے عالم اور مبصر ہیں انھوں نے بھی اپنی کتاب صفوۃ الاعتبار میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خود علمائے حنفیہ کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ یورپ کا ذبیحہ چونکہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ ہے اس لئے وہ مطلقاً حلال ہے اور وہ نہ موقوذہ کی تعریف میں آتا ہے اور نہ منخنقہ و نطیحہ کی تعریف میں۔[1]

مسئلہ چونکہ بڑا اہم اور نازک تھا اس لئے طولِ کلام ناگزیر تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ امام شافعی اور بعض اور ائمہ کے مسلک اور علمائے مصر و شام کے فتوی کی روشنی میں ذبیحۂ نصاری بھی ایسا ہی حلال ہے جیسا کہ بعض متقشف احباب کے نزدیک ذبیحۂ یہود یعنی کوشر۔ اس لئے میں نے ہوٹل میں اپنے لئے گوشت کا الگ کوئی بندوبست نہیں کیا بلکہ جو ہوٹل میں آتا تھا وہی کھاتا تھا۔ یہاں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یوں کھانے کو تو میں یہ گوشت کھاتا ہی تھا اور وہ یقیناً حرام نہیں تھا۔ لیکن میرے نزدیک اُس کا کھانا خلافِ اولیٰ ضرور ہے اور وہ حضورؐ کے ارشاد "دع ما یریبک الی ما لا یریبک" کے تحت آتا ہے، لیکن وہاں کی فضا اور ماحول میں اولیٰ چیزوں کا کیا ذکر! اگر کوئی مسلمان حرام محض یا مکروہ تحریمی چیزوں سے بھی بچ نکلے تو اس کے برّ و صالح ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا، وہاں بڑی مشکل یہ ہے کہ قانوناً کوئی شخص پرائیویٹ طور پر مرغی تو کیا چڑیا اور کبوتر بھی

---

[1] یہ تمام بحث نہایت مکمل اور مفصل علامہ سید رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار کی جلد ششم میں سورۂ مائدہ کی آیت اور جلد ہفتم میں سورۃ الانعام کی آیت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کی ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے ماخوذ ہے۔

ذبح نہیں کر سکتا اس لئے اگر آپ کو گوشت کھانا ہے تو بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں کہ بازار میں جیسا کچھ ملتا ہے اُس پر ہی قناعت کریں۔

اتوار کی شب میں ہوٹل کا ڈائننگ ہال بند رہتا تھا، اس لئے کسی رسٹوران میں جاکر ڈنر کھانا ہوتا تھا، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اُس علاقہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں درجوں کے رسٹورانوں میں کھانا کھانے اور اُن کا تجربہ کرنے کا موقع مل گیا۔ آخر کے تین چار مہینوں میں تو دوستوں کی کثرت اور اُن کی عنایت کے باعث حالت یہ ہوگئی تھی کہ ہر اتوار کی شب میں کسی نہ کسی کے ہاں دعوت ہوتی تھی اور تنہا رسٹوران میں ڈنر کھانے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔

انسٹیٹیوٹ میں تعلیم کے شروع ہونے میں ابھی چند روز باقی تھے، لیکن میں اس کے باوجود صبح کے نو، ساڑھے نو بجے تک انسٹیٹیوٹ پہونچ جاتا تھا، پہلی منزل میں میرا ایک الگ کمرہ تھا اُس میں جاکر بیٹھتا، لائبریری سے فائدہ اُٹھاتا، کامن روم یا کچن میں بیٹھ کر کافی یا چاء پیتا اور لنچ کا وقت ہوتا تو سب لوگوں کی طرح اپنا لنچ خود تیار کرکے تناول کرتا اور اسی طرح وقت گذار کر پانچ ساڑھے پانچ بجے شام تک واپس آجاتا تھا، آخر انسٹیٹیوٹ کے سشن کے شروع ہونے کا وقت بھی آگیا، دیرینہ روایت کے مطابق ۱۹ ستمبر کی شام کو پروفیسر اور مسنز اسمتھ کی طرف سے انسٹیٹیوٹ کے سب لوگوں کا ایک بہت پُر تکلف ایٹ ہوم (ڈنر نہیں) اُن کے مکان پر ہوا۔ ہمارے ہاں ایٹ ہوم عام طور پر عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے اُس کا اُردو ترجمہ عصرانہ کیا جاتا ہے، لیکن یہ ایٹ ہوم رات کے ۸½ بجے تھا، قسم قسم کی نفیس اور عمدہ چیزیں اور بڑی افراط سے اور پھر چاء اور کافی ان سے تواضع کی گئی، بڑے سے بڑے گھر میں دعوت ہو، مہمان تھوڑے ہوں یا بہت، نوکر چاکر کے نہ ہونے کی وجہ سے، بہرحال سب کام یعنی کھانا تیار کرنا، برتن دھونا اور صاف کرکے انہیں میز پر لگانا اور کھلانا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ میزبان اور اس کے بیوی بچوں کو کرنا ہوتا ہے، مہمانوں میں سے کسی کو "ترس" آجائے یا کوئی بہت زیادہ بے تکلف دوست اور ساتھی ہوا تو اس نے تھوڑا بہت ہاتھ بٹا لیا ورنہ سب کام خود ہی انجام دینا ہوتا ہے، چنانچہ اساتذہ، طلبا اور طالبات اور ملازمین، بیوی بچوں اور شوہروں کے ساتھ سب

مل ملا کر چالیس کے لگ بھگ ہوں گے، اسمتھ صاحب، اُن کی بیوی اور بچے اور بچیاں سب ان مہمانوں کی خاطر تواضع میں لگے رہے، یہ پارٹی ہر سال اس لئے ہوتی ہے کہ سب ممبرانِ انسٹیٹیوٹ ایک جگہ مجتمع ہو کر ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں، رات کو گیارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا- اس درمیان میں جو نئے تھے وہ پرانے اور جو پرانے تھے وہ تجدید ملاقات کر کے تازہ دم ہو گئے، دوسرے دن یعنی ۲۰؍ ستمبر کو صبح کے وقت اسمتھ صاحب نے انسٹیٹیوٹ کے سب اساتذہ و طلبا کو خطاب کیا جس میں انسٹیٹیوٹ کے قیام کی مختصر تاریخ، اُس کے اغراض و مقاصد اور اُس کے طریقِ کار اور سالِ نو کے لئے اساتذہ کے تقسیمِ اسباق کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد سشن باقاعدہ شروع ہو گیا-

جیسا کہ اشارۃً گذر چکا ہے مجھے دو سیمیناروں میں اسمتھ صاحب کے ساتھ شرکت کرنی تھی، ایک سیمینار کا عنوان تھا "ہندوستانی مسلمانوں کی تحریکات" اور دوسرے کا عنوان "تفتازانی یعنی شرح عقائد" تھا، ہر سیمینار ہفتہ میں ایک دن دو گھنٹے کے لئے ہوتا تھا، اوّل الذکر منگل کے روز دس بجے سے بارہ بجے تک (وہاں گھنٹہ (پیریڈ) ساٹھ منٹ کا ہی ہوتا ہے) اور موخر الذکر جمعرات کے دن انہیں گھنٹوں میں ہوتا تھا۔ سیمینار کا قاعدہ یہ ہے کہ جس موضوع پر مذاکرہ ہو رہا ہے اُس کے مختلف مباحث کی ایک فہرست نمبر وار بنا کر اور ساتھ ہی ہر ہر بحث کے لئے ایک مکمل ببلیو گرافی تیار کر کے اور اُس کو سائکلو اسٹائل کرا کے سب شرکاء میں اس کی کاپیاں تقسیم کر دی جاتی ہیں- چنانچہ اوّل الذکر سیمینار کے لئے جو مباحث متعین کئے گئے تھے وہ حسب ذیل تھے:-

حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، تحریکِ مجاہدین- ۱۸۵۷ء- سر سید کی تحریک، تحریکِ دیوبند، تحریکِ خلافت، تحریکِ آزادی، مولانا ابوالکلام آزاد، اقبال، تحریکِ پاکستان، جماعتِ اسلامی، پاکستان میں دستوری پیچیدگیاں، تقسیم کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے معاملات و مسائل، یہ سیمینار ۲۵ ستمبر کو شروع اور ۵ اپریل ۶۳ء کو ختم ہوا- دوسرے سیمینار کا عنوان "تفتازانی یعنی شرح عقائد نسفی" تھا یہ ۲۷؍ ستمبر کو شروع ہو کر ۲۰؍ دسمبر تک چلا- اس میں علم الکلام کے اُن مسائل و مباحث پر مذاکرہ کرنا تھا جو عقائدِ نسفی میں بالترتیب بیان کئے گئے ہیں، ان دونوں سیمیناروں کا

مکمل پلان اور ان کی مکمل ببلیاگرافی میرے وہاں پہونچنے سے پہلے خود پروفیسر اسمتھ نے تیار کرلی تھی، میں نے جب اُسے دیکھا تو کہیں کہیں دو چار کتابوں کے نام کا اضافہ کردیا اور بس! یہ دونوں ببلیاگرافیاں اس قدر جامع تھیں کہ میں دیکھ کر حیران رہ گیا، عربی، فارسی، اُردو، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، ترکی انڈونیشی، ان زبانوں میں سے کسی زبان میں شاید ہی کوئی کتاب ان مضامین سے متعلق ہو اور وہ اس فہرست میں شامل نہ ہو، اور پھر انسٹیٹیوٹ کی لائبریری جس کی عمر ابھی کل بارہ تیرہ برس ہے اس قدر اچھی اور جامع ہے کہ مذکورۂ بالا زبانوں میں اسلامیات پر قابلِ ذکر مطبوعہ کتابوں میں بہت ہی کم کتابیں ہوں گی جو وہاں موجود نہ ہوں، کتابوں کے علاوہ یہی حال مجلات ورسائل کا ہے، میں نے اپنے وطن میں بھی اُردو کے جن ماہناموں یا ہفتہ وار اخباروں کی زیارت نہیں کی تھی اُن کے پورے کے پورے فائل وہاں موجود اور بڑے قاعدہ اور قرینہ سے رکھے ہوئے تھے۔ یہی حال عربی، فارسی، انگریزی اور دوسری مغربی ومشرقی زبانوں کے اسلامیات پر مجلات ورسائل کا تھا، قدیم وجدید، اور اول و آخر تمام پرچے مجلد اور مرتب محفوظ تھے، جب میں پہونچا ہوں اُس وقت صرف کتابوں کی تعداد بیس ہزار بتائی گئی تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ دنیا کے ہر گوشہ سے کتابوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا، ہر تیسرے چوتھے روز ایک نہ ایک بھاری اور بڑا بنڈل آہی جاتا تھا۔ یہی حال اخبارات اور رسالوں کا تھا، اب آپ سوچتے ہوں گے کہ اتنی قیمتی اور قابلِ قدر لائبریری ہے تو اس کے انتظامات کس قدر اعلیٰ اور ان کتابوں کی حفاظت ونگہداشت کا بندوبست کس درجہ سخت ہوگا! جی نہیں! اس طرح سوچنے کا سبب یہ ہے کہ:- ع "اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کو"

وہاں لے دیکے صرف ایک لائبریرین ہے اور اُس کے ساتھ ایک کلرک خاتون، یہ دونوں تو مستقل ہیں اور پورے وقت کے لئے، کام زیادہ ہو جاتا ہے تو ایک دو کلرک اور چند گھنٹے روزانہ کام کے لئے رکھ لئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں نہ لائبریری کا کوئی چوکیدار ہے اور نہ نگراں! صبح کے نو بجے سے رات کے نو بجے تک پوری لائبریری چوپٹ کھلی پڑی ہے، ان اوقات میں لڑکے لڑکیاں اور اساتذہ برابر آتے جاتے اور کتابیں دیکھتے پڑھتے ہیں، لائبریری کی تمام الماریاں کھلی ہوئی ہیں،

جس الماری سے جو کتاب چاہیے لیجیئے اور پڑھیئے اور پڑھ چکیں تو جہاں سے کتاب اُٹھائی تھی وہیں رکھ کر چلے جائیے، اور اگر کتاب اپنے نام لکھوانی ہے تو اُس کے لئے آپ کو صرف کرنا یہ ہے کہ اس کتاب کے نام کا جو کارڈ اس کی جلد کے اندرونی حصہ میں رکھا ہوا ہے وہ نکال لیجیئے اور اُس پر اپنا نام اور تاریخ لکھ کر کلرک کی میز پر ایک چھوٹا سا بکس رکھا ہوا ہے بس یہ کارڈ اُس میں ڈال دیجیئے اور کتاب لے کر چلے جائیے۔ یہ نہیں کہ وہاں قواعد وضوابط نہ ہوں، وہ ہیں مثلاً جن کتابوں پر NOT TO GO OAT لکھا ہوا ہے یا جو رفرینس بکس کہلاتی ہیں وہ لائبریری سے باہر نہیں جا سکتیں، اسی طرح یہ کہ اساتذہ اور طلباء بیک وقت زیادہ سے زیادہ کتنی کتابیں اپنے پاس اور کتنے دنوں کے لئے رکھ سکتے ہیں، اگر کوئی شخص اس مدت میں کتاب واپس کرنے سے قاصر رہا تو اُس پر روزانہ اتنا جرمانہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ، غرض کرنا یہ ہے کہ ان قواعد کا سب لوگ از خود احترام کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

بہرحال ببلیا گرافی میں جتنی کتابیں مذکور تھیں وہ سب لائبریری میں موجود تھیں، اس لائبریری کے علاوہ اسمتھ صاحب کی ذاتی لائبریری بھی کچھ کم نہیں ہے، کوئی کتاب وہاں نہیں ہوگی تو یہاں تو ضرور ہوگی ہی! ان دونوں سیمیناروں میں ایم، اے اور پی، ایچ ڈی کے طلباء وطالبات مذہبی اعتبار سے عیسائی، مسلمان اور یہودی تھے اور جغرافیائی طور پر یورپ وامریکہ، افریقہ، عرب، ترکی، انڈونیشیا اور ہند و پاک سے تعلق رکھتے تھے ان کے علاوہ متعدد اساتذہ اور انسٹیٹیوٹ کے فیلو بھی ان میں شریک ہوتے تھے، طریقہ یہ تھا کہ جب سیمینار شروع ہوتا تھا تو اُس دن کے موضوعِ بحث کی مراد اور اُس کی تشریح کے سلسلہ میں پہلے پروفیسر اسمتھ ایک تعارفی تقریر کرتے تھے جو کم وبیش دس پندرہ منٹ کی ہوتی تھی، اُس کے بعد میری تقریر ہوتی تھی، کبھی آدھ گھنٹہ اور کبھی گھنٹہ سوا گھنٹہ بھی مگر عموماً چالیس پینتالیس منٹ! نوٹ تو میرے پاس ضرور ہوتے تھے مگر تقریر زبانی ہوتی تھی۔ اس کے ختم پر بحث شروع ہو جاتی تھی جس میں سب حصہ لیتے تھے۔ وہاں کے نظامِ تعلیم میں سیمینار کی حیثیت بعض اعتبارات سے لکچر سے بھی زیادہ ہے۔ جو طلباء اس میں عملاً حصہ زیادہ لیتے ہیں اور جو بات کہتے ہیں معقول طریقہ پر کہتے ہیں اُن کا ریکارڈ بنتا رہتا ہے اور امتحان کے موقع پر اُن کو زیادہ اچھے نمبر ملتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ بھی کیا جاتا تھا کہ آئندہ ہفتہ میں سیمینار

جس موضوع پر ہوگا اُس کے متعلق چند سوالات لکھ اور اُن کو ٹائپ کرا کے آج کے ہی دن تقسیم کر دیا جاتا تھا اس سے مقصد یہ تھا کہ ان سوالات کی روشنی میں شرکائے سیمینار ایک ہفتہ تک موضوعِ بحث کا مطالعہ کر کے اُس کے متعلق نوٹ تیار کر سکیں، یہ سوالات اِسمتھ صاحب اور میں دونوں مل کر تیار کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ تنہا وہ یا میں سوالات بناتے تھے، یہ سیمینار بڑی باقاعدگی و باضابطگی مگر بے تکلفی کے ساتھ ہوتا تھا، کوئی طالبِ علم ہو یا استاد، درمیان میں ہی جب چاہتا تھا سگرٹ یا پائپ پینا شروع کر دیتا تھا، یونیورسٹی کے نظامِ تعلیم کے ماتحت ایم، اے کے ہر طالبِ علم کو ہر مضمون میں ایک ٹرم پیپر (Term paper) لکھنا ہوتا ہے، اگر مضمون دو ٹرم کا ہے تو دو مقالے لکھنے ہوں گے چنانچہ ان دونوں سیمیناروں کے طلبا و طالبات سے دریافت کر کے موضوعِ بحث کے متعلق ایک ایک عنوان اُن کو دے دیا گیا - اب یہ پورے ٹرم میں اس پر مطالعہ کریں گے اور ایک مقالہ لکھ کر پیش کریں گے۔ یہ مقالہ کہنے کو ایم، اے کا ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مواد و معلومات، اُن کی ترتیب اور بحث و تنقید کے اعتبار سے ہمارے ہاں کے پی، ایچ ڈی کے مقالہ سے کم وقیع نہیں ہوتا یہ مقالہ بھی سیمینار میں پیش کیا جاتا اور موضوعِ بحث و گفتگو ہوتا ہے۔ چونکہ ایم، اے کے ہر مضمون سے متعلق ایک ٹرم میں ایک مقالہ اس طرح کا ہر طالبِ علم کو لکھ کر پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہاں کے ام، اے کا معیار کتنا اونچا ہے اور ایک طالبِ علم کو اُس میں کامیاب ہونے کے لئے ہر مضمون سے متعلق کس قدر وسیع مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔

امتحان وہاں سال میں دو مرتبہ ہوتا ہے، ایک جنوری کے آغاز میں اور دوسرا اپریل کے آخر یا مئی کے شروع میں! وقت وہی تین گھنٹہ ہوتا ہے، مگر آدھا وقت ہو جانے پر انسٹیٹیوٹ کی طرف سے ان سب کو کافی مع چھوٹے بسکٹوں کے پیش کی جاتی ہے۔ ڈائرکٹر کی سکریٹری میسز وڈاسکا اس خدمت کو انجام دیتی تھیں، پھر وہاں امتحان گاہ میں نگرانی کا وہ اہتمام نہیں ہے جو ہمارے یہاں ہے۔ پوچھ پاچھ اور تاک جھانک کا رواج ہی نہیں! اس جرم میں ایک صاحبزادہ ایک مرتبہ پکڑے بھی گئے تو بدقسمتی سے وہ مسلمان اور پاکستانی نکلے۔ میں کیا جتنے بھی مسلمان تھے شرم سے پانی پانی ہو گئے، ہمارے

سیمناروں کے جو مضامین تھے یعنی ہندوستانی مسلمانوں کی تحریکات اور علم الکلام، ان سے متعلق امتحان کے پرچوں اور ٹرم پیپرس میں، میں اور اسمتھ صاحب دونوں ایک ساتھ ممتحن ہوتے تھے، لیکن مشرق و مغرب میں کام کرنے کے طریقوں کا کتنا اختلاف ہے؟ اُس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ میں ایک مقالہ کے جانچنے اور اُس کو نمبر دینے پر ایک ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں کرتا تھا، اس کے بعد کاپیاں اسمتھ صاحب کے پاس جاتی تھیں اور وہ جانچتے تھے تو اگرچہ اکثر و بیشتر میرے اور اُن کے نمبر قریب قریب ہی ہوتے تھے، مگر وہ ایک مقالہ کے دیکھنے اور جانچنے پر بسا اوقات ایک دن پورا صرف کرتے تھے مقالہ کو لیا اور لائبریری میں جاکر بیٹھ گئے، اب اُس کی ایک ایک سطر پڑھ رہے ہیں، زبان اور بیان کو دیکھ رہے ہیں، حوالوں کا کتابیں کھول کھول کر مقابلہ کرتے جاتے ہیں اور جہاں جو بات غلط ہے اس کی نشان دہی کے ساتھ جو صحیح بات ہے وہ قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بعض اوقات مقالہ کے جتنے صفحات ہوتے تھے، اتنے ہی اسمتھ صاحب کے نوٹوں کے ہو جاتے تھے، وہاں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ہے ان لوگوں کا مقصد کے ساتھ خلوص اور اسے پوری دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ انجام دینا جسے انگریزی میں "Sincerity of purpose" کہتے ہیں، کوئی طالب علم ہو یا پروفیسر، کلرک ہو یا دکان دار، غرض کہ جس شخص نے جو کام اپنے ذمہ لے لیا ہے اس کو وہ پوری دلچسپی اور توجہ و یکسوئی سے انجام دے گا۔ ہمارے ہاں جو بوڑھے اور جوان، استاد اور طالب علم کم و بیش سب میں ہی جو پراگندگیِ طبع اور انتشارِ فکر و خیال کی کیفیت پائی جاتی ہے وہ یہاں بالکل نظر نہیں آئی۔ ہماری یونیورسٹیوں میں عربی، فارسی، اُردو یا دینیات و اسلامیات کے مضامین کتنے طلبا لیتے ہیں؟ اور جو لیتے بھی ہیں وہ اپنے مضمون کے ساتھ دل چسپی اور شغف کس حد تک رکھتے ہیں؟ مگر وہاں یہ بات نہیں! یہ سب اسلامیات کے ہی طلباء اور اساتذہ تھے، ہر ایک اپنے کام میں منہمک اور ہر کسی کو اپنے مضمون کے ساتھ دل چسپی! یہ انسٹیٹیوٹ کیا ہے؟ اچھی خاصی ایک طرح کی علمی خانقاہ ہے، لنچ پر بیٹھے ہوں یا چائے پر یا یُوں ہی کامن روم میں بیٹھے ستا رہے ہوں، بہرحال جہاں کہیں بھی دو چار مل جل کر بیٹھیں گے وہ سب طلباء ہوں یا اساتذہ یا دونوں، گفتگو جو ہوگی وہ شاہ ولی اللہ کے

فلسفہ پر، غزالی کے فلسفۂ اخلاق اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے تصوف پر یا عالمِ اسلام کے کسی ملک یا کسی نامور شخصیت کے متعلق، مذہب، فلسفہ، تاریخ، ادب، سیاست، ان سب پر گفتگو ہوگی مگر اسلام کی نسبت سے ہی! کام خواہ کوئی ہو اُس میں کامیابی کی شرط اول یہی ہے کہ اُس کے ساتھ خلوص اور اُس کی اہمیت کا مکمل احساس ہو، یعنی ایسا احساس جو عمل کی شدید تحریک پیدا کرتا ہے، وہاں (باعتبارِ اکثریت) یہ جوہر موجود ہے اس لئے جس کام کو اپنے ذمہ لیتے ہیں اُس کا حق ادا کرتے ہیں اور ہمارا حال (باعتبار اکثریت) یہ ہے کہ جو کام کرتے یا جو مضمون پڑھتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہیں کی بیگار ہمارے سر پڑ گئی ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کے طلبار میں یہ کیفیت کم ہوتی ہے، مگر آرٹس کے طلبار کا تو عموماً حال یہی ہوتا ہے۔

"کہ آیا نہیں ہوں میں لایا گیا ہوں!" (باقی)

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب اُن صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور اربابِ کشف وکرامات اور اصحابِ علم وادب کے سوانح حیات اور کمالات وفضائل بڑی تحقیق وتلاش سے جمع کئے گئے ہیں جنھوں نے غلام یا آزاد غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں جنھیں اسلامی سوسائٹی میں عظمت کی کرسی پر بٹھایا گیا اور جن کے علمی و مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارنامے اس قدر شاندار اور روشن ہیں کہ ان کی غلامی پر آزادی کو بھی رشک آتا ہے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی محققانہ دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ تالیف مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم، اے۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۴۸۸۔ بڑی تقطیع۔ قیمت سات روپے مجلد آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ برہان اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

۱

ادبیات

غزل

جناب سعادت نظیر

نظر سے اُن کی مجھے زخمِ دل چھپانا ہے		برائے نام سہی، پھر بھی مسکرانا ہے
جہاں میں عام نہیں ہر شعورِ درد، ابھی		نگاہِ ناز یہ دل ہی ترا ٹھکانا ہے
زباں نئی ہے، بیاں مختلف، نیا عنواں		مگر یہ کیا کہ فسانہ وہی پرانا ہے
کبھی ہے آس کا عالم، کبھی ہے یاس کا دور		فریب ایسے خدا جانے کتنے کھانا ہے
کلی کلی گلِ تر بن گئی ہے کھِل کھِل کر		نسیمِ صبح ہے یا اُن کا مُسکرانا ہے
ترے جہاں میں مسرّت کی کچھ کمی تو نہیں		مگر یہ میرا مقدّر کہ دکھ اُٹھانا ہے
ترے قدم نہ رکیں، کاروانِ شوق! کہیں		پتا جو منزلِ مقصود کا لگانا ہے
بفیضِ خونِ جگر ہوگا کل متاعِ بہار		چمن میں آج جو اُجڑا سا آشیانا ہے
شبِ فراق یہ محسوس ہو رہا تھا مجھے		حیات کیا ہے؟ فقط موت کا بہانا ہے
خزاں کے دور سے کچھ کم نہیں بہار کے دن		اُداس دل ہو تو بے کیف ہر زمانا ہے

چمن میں، دشت میں دنیائے ماہ و انجم میں
نظیر! عظمتِ انساں کا گیت گانا ہے

تبصرے

مکاتیبِ یورپ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ تقطیع خورد ضخامت ۴۴ صفحات کتابت وطباعت بہتر۔ قیمت ایک روپیہ پتہ: مکتبہ اسلام، ۳۷، گوئن روڈ۔ لکھنؤ۔

جنیوا کے اسلامک سنٹر (جس کے مولانا بھی ایک ڈائرکٹر ہیں) کے اصرار اور پیہم تقاضوں پر گذشتہ ماہ ستمبر میں مولانا نے یورپ کے ممالک کا اپنے ایک رفیق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (لکھنؤ) کے ساتھ ڈیڑھ دو مہینہ کا سفر کیا تھا اس مدت میں آپ نے جو خطوط اپنے اعزا واقربا اور بعض رفیقوں کو لکھے یہ کتاب انھیں خطوط کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ یہ قلیل مدت ان ممالک کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی وعلمی زندگی کے واقعی مطالعہ کے لئے ناکافی ہے اور اس بنا پر ان خطوط میں مولانا نے جو تاثرات لکھے ہیں ان سے کلیتہً اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ مستشرقین کی نسبت مولانا نے جو رائے قائم کی ہے وہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔ تاہم ان خطوط کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یورپ میں دینی اور تبلیغی کام کرنے کے لئے میدان کتنا وسیع ہے اور جو مسلمان طلبا وہاں تعلیم پارہے ہیں ان میں کس طرح ایک نئی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ مولانا نے ان طلبا کو جا بجا خطاب کیا۔ انھیں درسِ قرآن دیا۔ اور اس طرح وہاں وہ کام کیا جس کی اُن سے توقع تھی۔

دیوانِ حافظ مترجم

از مولانا قاضی سجاد حسین۔ تقطیع کلاں ضخامت ۴۰۲ صفحات۔ کتابت وطباعت اعلیٰ جلد ولایتی ومزین۔ قیمت دس روپے۔ پتہ: سب رنگ کتاب گھر دہلی۔

ایک زمانہ تھا جبکہ فارسی کا مذاق عام تھا۔ کلامِ حافظ کا گھر گھر چرچا تھا۔ عورت اور مرد، جوان اور بوڑھے۔ صوفی اور رند غزلیں پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ جو ارباب غرض ہوتے تھے وہ دیوان سے فال بھی نکالتے تھے لیکن اب فارسی تو کجا اردو ہی کشمکشِ موت وحیات میں گرفتار ہے اور اس کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حافظ وسعدی اور عراقی وجامی کے نام تک نامانوس ہوتے جا رہے ہیں۔ انھیں حالات کو

پیش نظر رکھ کر مولانا سجاد حسین صاحب نے جو مشہور عالمِ دین اور دیرینہ اُستاذ مدرسہ عالیہ فتحپوری ہیں۔ پورے دیوان کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ بہت صاف و سلیس اور عام فہم ہے اور ساتھ ہی ہر صفحہ پر کثرت سے حواشی ہیں۔ ان دونوں کی مدد سے فارسی کی معمولی استعداد رکھنے والے دیوانِ حافظ کو صرف سمجھ ہی نہیں لیں گے بلکہ اُن میں فارسی زبان کا شستہ و شائستہ مذاق بھی پیدا ہو جائے گا۔ شروع میں ڈاکٹر سعید انصاری کے قلم سے حضرت خواجہ کے مختصر حالات ہیں۔ اُمید ہے کہ بلبلِ شیراز کے نام کے عاشق کتاب کا مطالعہ کر کے فاضل مترجم و محشی کی محنت کی داد دیں گے۔

سفرنامہ حجاز مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی تقطیع خورد ضخامت ۲۵۵ صفحات۔ طباعت و کتابت بہتر۔ قیمت تین روپیہ۔ پتہ: مصنف معرفت قاضی تبارک اللہ بڑھنی بازار ڈاک خانہ رامدت گنج ضلع بستی

مولانا رحمانی مشہور عالم دین ہونے کے ساتھ واعظ شیوا بیان اور خطیب بھی ہیں۔ دل میں سوز و گداز اور عشقِ الٰہی کی تڑپ رکھتے ہیں۔ ایسا شخص جو دل اور دماغ دونوں کی دولتِ خداداد سے بہرہ ور ہو حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً کی زیارت کو جا نکلے تو ظاہر ہے اُس کے قلمبند کردہ تاثرات کیا کچھ نہیں ہونگے؟ چنانچہ اس سفرنامہ میں بھی وجد و حال، جذب و شوق کی کیفیات، تاریخی تفصیلات، شرعی مسائل و احکام، ذاتی مشاہدات و تجربات اور واعظانہ رموز و نکات جن کو برمحل اشعار کی کثرت نے شرابِ دو آتشہ بنا دیا ہے۔ غرضکہ وہ سب کچھ ہے جس کی مولانا جیسی شخصیت کے سفرنامہ سے توقع ہو سکتی ہے۔ زبان و بیان دلچسپ و شگفتہ اور اثر آفریں ہے۔ حج کے لیے جانے والے حضرات کے علاوہ عام مسلمان بھی اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اقلیت و اکثریت کے مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں ضخامت ۹۶ صفحات قیمت عمر یہ کتاب بھی مولانا رحمانی کی ہے اور مندرجہ بالا پتہ سے ملیگی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں قرآن و سنت اور بعض تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اکثریت کے فرائض و آداب کیا ہیں اور مسلمانوں نے جب اکثریت میں بھی تھے اور حکمراں بھی، اُن فرائض کو

کس طرح ادا کیا اور اس کے بالمقابل اُقلیت میں کس قسم کے اوصاف و کمالات موجود ہونے ضروری ہیں اگر اقلیت میں وہ اوصاف موجود ہیں تو قانونِ فطرت کے مطابق وہ کبھی عزت و عظمت سے محروم نہیں ہوسکتے، اس لحاظ سے کسی قوم یا فرقہ کا اقلیت میں ہونا اُن کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت و برکت کا سبب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے

حضرت عمرو بن العاص و حضرت عائشہ صدیقہ ازجناب مولوی اسلام اللہ صدیقی جونپوری تقطیع خورد ضخامت ۱۵۲ صفحات۔ قیمت دو روپیہ پچیس پیسے (۲) ضخامت ۸۲ صفحات قیمت ۸۰ نئے پیسے۔ پتہ مکتبہ اسلامی ادب للّہ پورہ (فاطمان) بنارس۔

حضرت عمرو بن العاص مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ غیر معمولی شجاعت کے ساتھ فرزانگی اور تدبر و سیاست میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ مصر کی عظیم الشان فتح اور اُس کے حسن نظم ونسق یہ سب آپ کی ہی سیاست و خلق کا ایک کرشمہ تھا۔ پہلی کتاب میں آپ کے ہی حالات و سوانح۔ فضائل و مناقب اور کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری کتاب حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات و سوانح میں ہے۔ حضرت صدیقہ، تاریخ اسلام میں جس مرتبۂ بلند کی مالک ہیں کوئی مسلمان اُس کا منکر نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اُردو میں مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب "سیرتِ عائشہ" پہلے سے موجود تھی اور وہ بڑی تحقیقی اور پُراز معلومات بھی ہے۔ لیکن عام اُردو خوانوں کے لئے یہ کتاب بھی مفید ہوگی۔ واقعات صحیح ہیں اور زبان و بیان سلیس و شگفتہ اور دلچسپ ہے۔

اپنی ضرورت کی کتابیں حسب ذیل پتہ سے طلب فرمائیں

مکتبۂ برہان، اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

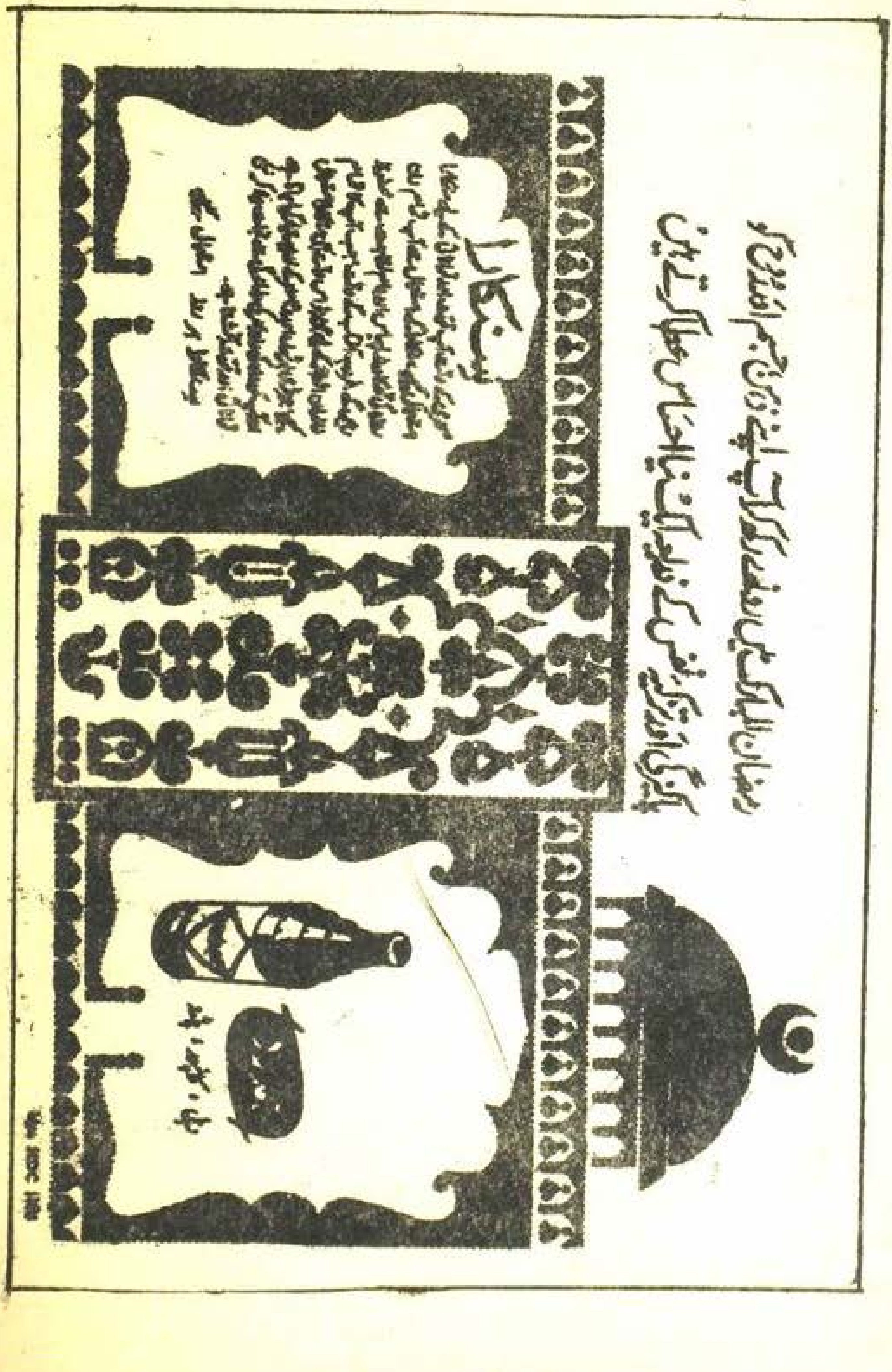

رمضان المبارک میں روزے رکھ کر آپ اپنے ذہن، جسم اور روح کو
پاکیزگی اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ ایک نیا احساس عطا کرتے ہیں
سنکارا
سنکارا ہر روز استعمال کیجئے
ہمدرد
دہلی • کانپور • پٹنہ